اختلافِ مذاہب کی حقیقت

ہندوستان مختلف مذاہب کا ملک ہے۔ یہاں کے مذاہب کا اختلاف جو اختلاف سے بڑھ کر عموماً مخالفت اور جھگڑے کی حدوں تک پہنچ جاتا ہے، ہر سوچنے والے دماغ کو پریشان کرتا رہتا ہے۔ پچھلے دنوں مذہب کے نام پر ملک میں خون کی جو ہولی کھیلی گئی اور جس کے اثرات لوگوں کے دل و دماغ پر اور اُن کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی پر ابھی تک باقی ہیں اس سے ذہن اور بھی پراگندہ ہوتا ہے۔ لادینیت اور اشتراکیت کے علمبردار اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاکر مذہب کے خلاف پروپگینڈہ کر رہے ہیں، اور بعض لوگ نیک نیتی یا بدنیتی سے یہ آوازیں بلند کر رہے ہیں کہ سب مذہب ایک ہیں اور ملک کا ارتقاء اور دیس کا امن ایک کلچر اور ایک مذہب، یا مشترکہ کلچر اور مشترکہ مذہب اختیار کرنے میں ہے۔ اس سلسلے میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ ایسی ایسی باتیں کہتے اور لکھتے ہیں کہ پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آتی ہے اور صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ان بے چاروں نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا ہے۔ ان کے سامنے کچھ اغراض و مقاصد ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے مذہب کو آڑ کار بنایا جا رہا ہے۔

ذیل کے مقالے میں ہم نے اس مسئلے پر اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے غور و فکر کرنے کی کوشش کی ہے اور سوچ بچار کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں اُسے بلا تامل پیش کر دیا ہے۔ اُمید ہے کہ ملک کی ایک بڑی گتھی کو سُلجھانے میں اس سے مدد ملے گی۔ "مدیر"

مادہ پرستی اور ناخدا ترسی کے تلخ نتائج کی ماری ہوئی دُنیا پلٹ پلٹ کر مذہب و اخلاق کو دعوت دے رہی ہے کہ وہ آئے اور انسانی مشکلات کو حل کرے۔ اس کے باوجود نہ لادینیت کا دُنیا سے خاتمہ ہوتا ہے اور نہ مذہب آگے بڑھنے اور گتھیوں کو سُلجھانے کی ہمت کرتا ہے، اس صورتِ حال کو پیدا کرنے میں جہاں اور محرک کام کر رہے ہیں وہاں ایک بڑا سبب مذاہب کا اختلاف بھی ہے، یہ اختلاف نہ صرف مذہب کی مخالفتوں کو زیادہ کرتا ہے بلکہ خود مذہب کے حامیوں کو پریشان اور بدظن کرتا ہے۔

اور مذاہب کو مفید بنانے کے بجائے انسانیت کے لیے مضر بنا دیتا ہے۔ ہندوستان ہی کو لے لیجیے جو مذاہب کا بہت بڑا مرکز ہے اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ وہ اخلاق اور مذہب کی روشنی میں دُنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے گا۔ خود اس کا حال کیا ہے؟ ایک طرف مذاہب کی بے اثری کا یہ عالم ہے کہ یہاں کے لوگ بداخلاقی و مادہ پرستی میں کسی غیر مذہبی ملک سے پیچھے نہیں ہیں۔ دوسری طرف بظاہر یہ مذاہب امن و انسانیت بخشنے کے بجائے سخت جھگڑے اور فساد کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبان سے مذہب و اخلاق کے الفاظ رٹنے کے باوجود ہندوستان کے رہنما عملاً لامذہبیت اور بداخلاقی کا پرچار کر رہے ہیں اور ان کی سمجھ میں یہ کسی طرح نہیں آرہا ہے کہ وہ مذاہب کے اس اختلاف کو کس طرح حل کریں۔ بعض لوگ اس سلسلے میں اپنے طور پر کچھ کوشش کر رہے ہیں، مگر یا تو اُنھوں نے اس مسئلے پر کافی غور نہیں کیا ہے اور یا جان بوجھ کر وہ اس گتھی کو اور اُلجھانا چاہتے ہیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اگر ہم اس امر کے قائل ہیں کہ مذہب ہی دُنیا کی مشکلات کا واحد حل ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک مذہب و اخلاق کا زبانی علمبردار ہونے کے بجائے عملی علمبردار بن جائے اور مصیبتوں سے بھری ہوئی دُنیا کو راحت کدہ بنا دے تو ہمیں اختلافِ مذاہب کے مسئلے پر غور کرنا ہوگا اور اُسے تسلی بخش طریقے پر سُلجھانا ہوگا۔ لیکن اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو مذہب کے مخالفین یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ بات کچھ نہیں ہے صرف عوام کو فریب میں مبتلا کیا جارہا ہے، اور خود عوام مذاہب کے اس اختلاف سے عاجز آکر لامذہبیت کی گود میں جا پڑیں گے۔ پھر انھیں کوئی وعظ مذہبی زندگی کی طرف نہ لا سکے گا اور دُنیا لادینیت کے جس گندے سیلاب سے بھاگ نکلنا چاہتی ہے وہ اُس میں ہمیشہ کے لیے غرق آب ہو جائے گی۔

مذاہب کے اختلاف سے کچھ لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مذاہب بالکل بے اصل اور مہمل ہیں، بھلا جس چیز میں اس قدر اختلاف ہو وہ کوئی معقول چیز کیسے ہوسکتی ہے؟ لیکن یہ رائے مذاہب کے مطالعے اور اُن کے اختلاف پر سنجیدگی سے غور کیے بغیر قائم کرلی گئی ہے، اگر اختلاف کسی چیز کے غلط ہونے کا ثبوت ہے تو دُنیا کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جسے صحیح کہا جاسکے، یہ اصول ماننے کے بعد تمام انسانی علوم و فنون، افکار و نظریات اور تحریکوں اور نظاموں کو یکسر غلط قرار دینا پڑے گا اور سب کو بالائے طاق رکھ دینا ہوگا کیونکہ ان سب میں سخت اختلافات ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دُنیا کے کسی معاملے میں بھی اس اصول پر عمل نہیں کرتا، وہ اختلاف کی وجہ سے اصل چیز کو غلط نہیں سمجھتا بلکہ اختلافات کو حل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ پھر مذہب ہی کے معاملے میں یہ رویّہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، یہ درحقیقت مذہب سے فرار اختیار کرنے کی راہ ہے۔ لیکن اس فرار کے لیے اختلافات کا عذر کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بُنیادی سوال یہ ہے کہ یہ کائنات آپ سے آپ بن گئی ہے یا اس کا کوئی بنانے والا ہے، اس وسیع دُنیا کا انتظام اتنی خوش اسلوبی کے ساتھ خود بخود ہو رہا ہے یا کوئی انتظام کرنے والی ہستی بھی ہے۔

اور اگر کوئی ہستی ایسی ہے تو اُس سے ہمارے تعلق کی نوعیت کیا ہے، اس دُنیا میں ہمارا مقام کیا ہے؟ اس ہستی نے دوسری اشیاء کی طرح ہمارے لیے کوئی قانون مقرر فرمایا ہے یا نہیں اور اگر مقرر فرمایا ہے تو وہ کہاں ہے اور اُس کی ہمیں آج بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ یہ انسانیت کے بُنیادی سوالات ہیں اور ان کو حل کیے بغیر کوئی انسانی گتھی سُلجھائی نہیں جا سکتی۔ اب اگر آپ ان پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نہ کوئی خدا ہے اور نہ کہیں اُس کا قانون ہے اور نہ اُس کے قانون کی ہمیں ضرورت، تو آپ کو مذہب سے بے نیازی کا حق ہوگا۔ اور اس صورت میں آپ اختلافات کا عذرِ لنگ پیش کرنے کے بجائے ان بُنیادی جوابات کو مدلل پیش کریں گے جو آپ کے ذہن نے ان سوالات کے سلسلے میں طے کیے ہیں۔ لیکن اگر آپ غور و فکر کے بعد یہ ماننے پر مجبور ہوں کہ خدا بھی ہے، اُس نے قانون بھی بھیجا ہے اور اُس کے قانون کی پیروی ہمارے لیے ضروری بھی ہے تو آپ مذاہب کے اختلافات کو بہانہ نہیں بنا سکتے، اختلافات خواہ کتنے ہی ہوں آپ ان میں اصل حقیقت کو پرکھنے اور زائد اور غلط چیز کو دُور کرنے کی مسلسل کوشش کریں گے۔

اس طرح اختلافِ مذاہب سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ مذاہب میں ارتقاء ہوا ہے کہ پہلے لوگ ان گنت خداؤں کے قائل ہوئے پھر جتنا جتنا شعور بڑھتا گیا خداؤں کی تعداد کم ہوتی گئی، یہاں تک کہ آخر میں ایک خدا رہ گیا۔ اور اب جب کہ انسان شعور و ادراک میں بہت آگے بڑھ گیا ہے اس ایک خدا کی بھی اسے ضرورت نہیں رہی۔ یہ خیال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ تاریخ سے اس کی سند ملے، اور تاریخ واقعات کے مجموعے کا نام ہے نہ کہ قیاسات اور مفروضات کے انبار کا۔ آپ اگر مذاہب کی تاریخ اور انسانیت کی سرگزشت کا مطالعہ کریں گے تو اس نظریے کی آپ سے آپ تردید ہو جائے گی۔ آپ دیکھیں گے جس طرح قدیم ترین زمانے میں توحید کے علمبردار اور شرک کے ماننے والے موجود تھے، اسی طرح آج کے روشن دَور میں بھی ہزاروں خداؤں کے ماننے والے اور توحید کے حلقہ بگوش دونوں پائے جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ مذہب کے مخالفین کا طبقہ بھی موجود ہے۔ کیا اسی کا نام ارتقاء ہے؟ پھر اس نظریے کا نتیجہ بھی وہی ہے جو اوپر کے نظریے کا ہے اور اس سلسلے میں بھی فیصلہ کن بات وہی ہے۔ جو اوپر کہی جا چکی ہے۔

بعض لوگ ان مختلف مذاہب کو دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں۔ کہ سب مذاہب برحق ہیں، ان کے نزدیک معقول اور خدا پرستانہ رویّہ یہی ہے کہ انسان سب مذاہب کو بہ یک وقت صحیح کہے۔ ایسے لوگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اختلافات سے گھبرا کر اور مذاہب کے بارے میں

غور و فکر سے بچنے کے لیے اس طرح کی باتیں کہہ دیا کرتے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ رویّہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اختلافات اور شدید اختلافات کے ہوتے ہوئے ان کا انکار کرنا' یا تمام مختلف متضاد باتوں کو صحیح بتانا کہاں کی دانشمندی ہے! اختلافات کے بارے میں صحیح رویّہ یہی ہے کہ انسان ان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرے اور صحیح و غلط اور حق و باطل میں اچھی طرح فرق کرنے کے بعد اختلافات کو دور کرنے کی جدوجہد کرے۔ ہر انسان اپنی سمجھ اور اپنے علم کی حد تک اس جدوجہد میں حصّہ لینے کا ذمّے دار ہے اور اس سے بچنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ آدمی یا تو غلط مفروضات اور اوہام و لغویات کا شکار رہے یا مذہب سے عملاً بے تعلق اور کنارہ کش ہو جائے اور دونوں صورتیں غلط اور مہلک ہیں۔ کچھ لوگ جھوٹی رواداری' ذلیل چاپلوسی اور ذاتی مطلب برآری کے لیے جہاں اور باتیں کرتے ہیں وہاں مذہب کو بھی استعمال کرتے ہیں' ایسے لوگ نہ مذہب کا صحیح علم رکھتے ہیں' نہ ان کی نظر میں خدا' مذہب اور نیکی و بدی کی کوئی وقعت ہوتی ہے' ان کی نظر میں ایک ہی چیز وزنی ہوتی ہے اور وہ ان کا مفاد ہے' یہ مفاد جب مذاہب کے اختلافات کو بڑھانے اور ہوا دینے سے حاصل ہوتا ہے تو اختلافات کو کئی گنا کرکے پیش کر دیتے ہیں' اور جب انھیں یہ نظر آتا ہے کہ ان کا مفاد اختلافات کا انکار کر دینے اور خوشامدانہ رویّہ اختیار کرنے میں ہے تو انھیں اس میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا' وہ جس طرح اپنی خود داری کو چند سکوں کے عوض فروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے مذہب کو بھی بلا تکلف اپنے مفاد کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں' یہ لوگ درحقیقت بے دین ہیں' بلکہ دین و مذہب اور اخلاق و حق پرستی کے دشمن ہیں۔ اور ایسا عنصر ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

کبھی اس قسم کا نعرہ اکثریت کی جانب سے لگایا جاتا ہے اور اُس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اقلیت کو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب میں جذب کر لے اور اس کی انفرادیت ختم کر دے' اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ اقلیت کے افراد کے اندر یہ عقیدہ پیدا کیا جاتا ہے کہ سب مذاہب برحق اور برابر ہیں۔ جب یہ عقیدہ مستحکم ہو جاتا ہے تو اقلیت خود ہی اکثریت کے مطالبہ اور اپنی بے گانگی کو ختم کرنے کے لیے اکثریت کا مذہب قبول کر لیتی ہے۔ کیونکہ جب سب مذاہب برابر ٹھیرے تو کیوں اس مذہب پر اصرار کیا جائے جس کی وجہ سے انسان کو باعزت اور کامیاب زندگی گزارنا دوبھر ہو اور کیوں نہ وہ مذہب اختیار کر لیا جائے جس کے اختیار کرنے کے بعد اقلیت و اکثریت کا جھگڑا ہی نہیں رہتا اور دنیاوی زندگی خوب مزے سے گزرتی ہے" اقلیت کی جانب سے اس فیصلے میں اگر کچھ کسر باقی رہ جاتی ہے تو اکثریت کا مطالبہ اور اس کا جابرانہ برتاؤ رہی سہی کمی کو پورا کر دیتا ہے اور اقلیت اکثریت میں جذب ہوتے پر مجبور

ہوجاتی ہے۔ پچھلے زمانوں میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ آواز پوری شدت کے ساتھ اُٹھ رہی ہے، لیکن اس قسم کی حرکت کو مکّاری اور بے ایمانی کے سوا کس چیز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ مکاری کسی مذہب کے لیے اختیار کی گئی ہے تو یقیناً یہ اُس مذہب کی کوئی سچّی خدمت نہیں ہے، اگر کسی مذہب کی تعلیمات صحیح ہیں اور اُن سے انسانی گتھیاں حل ہوتی ہیں تو انھیں کھُلم کھُلا معقول انداز سے پیش کرنا چاہیے اور ہر شخص کو پوری آزادی کے ساتھ سوچنے اور اختیار کرنے یا نہ کرنے کا حق دینا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے ناپاک اور ناجائز ذرائع اختیار کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اسی چیز نے مذاہب کو بدنام کیا ہے اور یہی وہ گندگیاں ہیں جن کو دیکھ کر انسان مذہب سے متنفر ہوجاتا ہے اور اگر اس مذہب کی تعلیمات خود لچر اور کمزور ہیں تو حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نہ خود دھوکے میں رہے اور نہ دوسروں کو فریب میں مبتلا کرے، اس کے بجائے اسے کوئی ایسا مذہب تلاش کرنا چاہیے جس کی تعلیمات بالکل صحیح ہوں، اور جو انسانیت کے لیے واقعی مُفید ہو، ایسا کرنا اس کے لیے بھی مُفید ہوگا اور مذاہب و انسانیت کے لیے بھی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے لیے تیار نہیں تو اُسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس قسم کی حرکتیں کرنے سے انسان کا اپنا ضمیر گندہ ہوتا ہے اور خود اُس کا کردار برباد ہوجاتا ہے۔ پھر جو لوگ ان حرکتوں سے فریب میں آکر کسی مذہب کو اختیار کرتے ہیں وہ اُس مذہب کی رُسوائی کا باعث اور اُس کے زوال کا موجب ہوتے ہیں، ان کے اندر نہ صحیح قُوّتِ فیصلہ ہوتی ہے، نہ وہ کچھ عزم لے کر آتے ہیں اور نہ ان کے اندر کردار کی پختگی اور خوبی ہوتی ہے، افراد کو اس طرح کسی مذہب یا کسی تہذیب میں جذب کرلینا مذہب، تہذیب یا قوم کی خدمت ہرگز نہیں ہے۔ پھر اس خطرے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اگر اقلیت کو اس سازش کا علم ہوگیا اور اُس نے مقابلہ کرنے کا تہیّہ کرلیا تو اس کے نتیجے میں مُلک برباد ہوگا، انسانی خون کی ندیاں بہیں گی، اخلاق و انسانیت ذلیل ہوگی۔ اور مذہب کی تاریخ میں ایک گندے اور شرمناک باب کا اضافہ ہوگا۔

کچھ لوگ سب مذاہب کے برحق ہونے کا نعرہ اس لیے لگاتے ہیں کہ ان کے نزدیک مذہب کی بقا کا دارومدار مذاہب کے اتحاد پر ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے آپس میں لڑتے رہتے ہیں، اس سے مذہب کا محاذ کمزور ہوتا ہے اور لادینیت کا محاذ طاقت پکڑتا ہے۔ اس لیے وہ اسی میں بہتری سمجھتے ہیں کہ سب مذاہب کو برحق کہا جائے تاکہ مذاہب کے معتقدین میں اتحاد پیدا ہو اور مذہبیت فروغ پائے لیکن یہ تدبیر بالکل غلط اور طفلانہ ہے، مذہبیت کا بقا مذاہب کے مصنوعی اتحاد میں نہیں ہے، شدید اختلافات اور کھُلے ہوئے تناقضات کے ہوتے ہوئے سب مذاہب کو برحق کہنے کا

نتیجہ صرف یہ ہوسکتا ہے کہ مذہبی گروہ میں سے جتنے سمجھدار انسان ہیں ان کے دلوں سے مذہب کا احترام اُٹھ جائے اور وہ اعتقاداً یا عملاً لادینیت اختیار کرلیں اور جو ناسمجھ لوگ رہ جائیں وہ آپس میں اُلجھتے اور لڑتے مرتے رہیں (کیونکہ وہ اختلافات تو پھر بھی جوں کے توں رہ جاتے ہیں اور زبان سے سب کو برحق کہہ دینے سے ان کا حل نہیں ہوتا) اور مذہبی دائرے سے باہر کے انسان یہ دیکھ کر کہ مذہب دُنیا کی تمام خرافات، اوہام اور متضاد خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے اور ان سب کو بلا کسی دلیل کے صحیح کہا جاتا ہے مذہب سے اور بھی متنفر و بیزار ہوجائیں ——— اس لیے درحقیقت مذہبیت کے بقا کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ تمام رطب و یابس کو جمع کرلیا جائے، سب کا نام مذہب رکھ دیا جائے اور دُنیا کے انسانوں سے اُس پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر مذہبیت کو باقی رکھنا ہے اور اُس سے انسانی زندگی کی گتھیاں سُلجھانی ہیں تو اُس کی صورت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ مذہب کو دُنیا کے سامنے تمام رطب و یابس سے پاک کرکے خالص اور نکھری ہوئی شکل میں پیش کیا جائے اور اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ انسان کے دل و دماغ اور اُس کے ضمیر و جذبات کو اپیل کرسکے اور انسانی زندگی کا لائحہ عمل اور نوعِ انسانی کے لیے راہِ نجات بن سکے۔ آج کی دُنیا خیالات اور اوہام کی دُنیا نہیں ہے، خوش عقیدگیوں اور خوش فہمیوں کی دُنیا نہیں ہے۔ آج تو وہی بات مقبول ہوگی اور وہی بات باقی بھی رہے گی جو معقول ہو، فطری ہو، حقائق پر مبنی ہو اور سُلجھے ہوئے نظام کی صورت میں سامنے آئے۔ اگر مذہب خدا کا بھیجا ہوا نظامِ زندگی ہے تو اُسے سب سے زیادہ معقول، صحیح اور سُلجھا ہوا ہونا چاہیے، خدا کے بھیجے ہوئے نظام میں اتنے شدید اختلافات اور تناقضات نہیں ہوسکتے اور نہ ان تمام متضاد باتوں کو کوئی صاحبِ عقل خدا کی طرف منسوب کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ اس لیے حقیقت ایک ہی ہوگی، اسے پُوری جد و جہد سے تلاش کرنا چاہیے اور جب تک وہ مل نہ جائے ہر غلط اور صحیح چیز کو مذہب سمجھنے اور ان چیزوں کے متحدہ مجموعے کے تحفظ کو مذہبیت کی بقا کا ضامن خیال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مذہب کے تین اجزا کیے جاسکتے ہیں، عقائد، اخلاق، قوانین، ان میں سے اخلاق میں نسبتاً کم اختلاف ہیں، مگر صرف اخلاق پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے ایمان و یقین کی ضرورت ہے جو عقائد سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن مذاہب کے پیش کیے ہوئے عقائد میں اتنا سخت اختلاف اور تضاد ہے کہ ان سب کو بیک وقت کوئی صحیح یقین نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ انسان کو صرف اخلاقی ضابطوں ہی کی ضرورت نہیں ہے اسے تو ایک ایسے متوازن اور معتدل نظامِ زندگی کی ضرورت ہے جو اس کی گتھیاں سُلجھائے۔ ایسا نظامِ زندگی انسان اپنی تمام کوششوں کے باوجود آج تک مرتب نہ کرسکا۔ ایسا نظامِ زندگی جو مذہب مہیا کرسکے گا وہی دُنیا کا مذہب ہوگا۔ اور اگر یہ ضرورت پُوری نہ ہوسکی تو مذہب سے دُنیا جلد ہی مایوس ہوجائے گی، سوال یہ ہے کہ یہ ضرورت کس طرح پُوری ہو؟ اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کسی ایسے مذہب کو تلاش کیا جائے جو اس قسم کا نظامِ زندگی رکھتا ہو، اور پوری بے تعصبی اور یکسوئی کے ساتھ

انسان اُسے اپنائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان مختلف مذہبی نظاموں پر تحقیق و تجسس کی نظر ڈالے اور ان میں سے بہتر قوانین منتخب کرکے ان کا ایک مجموعہ مرتب کرلے، لیکن اس بات سے قطع نظر کہ مختلف بنیادوں پر بنے ہوئے نظاموں سے کوئی ایسا مجموعہ تیار ہونا ممکن نہیں ہے، اور انسان اب تک کوئی ایسا نظام بنا ہی نہ سکا ہے جو سب انسانوں کے لیے یکساں مفید ہو اور ان کی ساری گتھیوں کو سلجھانے والا ہو اور قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کرے گا، انتخاب کا معیار کیا ہوگا اور سب لوگ اس شخص کو اور اس کے مقرر کیے ہوئے معیاروں کو کیونکر مان لیں گے۔ اس صورت میں ایک اور خامی پیدا ہو جاتی ہے جو اس کوشش کی ساری افادیت کو ختم کردیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے مذہب کی مذہبیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے انسانی قوانین کے مقابلے میں مذہب کو خاص طور پر جو برتری حاصل ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے ضمیر اور وجدان کے اندرونی تقاضوں کی وجہ سے اس کی پابندی کرنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ خدا کا بھیجا ہوا نظام ہے جو اس کا مالک و آقا ہے، اور جو ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اگر مختلف مذاہب کے قوانین کو سامنے رکھ کر کوئی مجموعہ مرتب کرلیا جائے تو اُسے خدائی نظام نہیں کہا جا سکتا، اور اُس پر عمل کرنے کا کوئی اندرونی داعیہ انسان کے اندر پیدا نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگ "وحدتِ ادیان" کا نعرہ اس وجہ سے بلند کرتے ہیں کہ انھیں مذاہب کی مختلف و متضاد تعلیمات کے ہجوم میں کچھ "مشترک صداقتیں" مل جاتی ہیں۔ ان "مشترک اور عالمگیر سچائیوں" کو پاکر یہ لوگ تمام مذاہب کے حق ہونے کا اعلان کردیتے ہیں حالانکہ یہ چیز علماً بھی غلط ہے اور عملاً بھی۔ علماً اس سے غلط ہے کہ اگر چند مشترک باتوں کی بنا پر متضاد چیزوں کو متفق و متحد مان لیا جائے تو کوئی چیز سرے سے متضاد و مختلف باقی ہی نہیں رہ سکتی، دُنیا کی تمام چیزوں کے درمیان کچھ نہ کچھ مشترک باتیں ضرور ہیں، حتےٰ کہ مذہب و لامذہبیت دونوں کے درمیان بھی یہ بات مشترک ہے کہ دونوں انسانی زندگی کی گتھیاں سلجھانا چاہتے ہیں، دونوں انسان کے عقائد، اخلاق اور کردار پر اثر ڈالتے ہیں اور دونوں دُنیا کے معاملات کو ایک خاص ڈھنگ پر چلاتے ہیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذہب و لامذہبیت میں بھی کوئی اختلاف نہیں، اور یہ کہ ہمیں لامذہبیت اور الحاد کو بھی برحق کہنا چاہیے۔ پھر ایک سوال اور غور طلب ہے، اور وہ یہ کہ مذہب کچھ نیک اور تارک الدُنیا لوگوں کی نصیحتوں اور اقوال کے مجموعے کا نام ہے یا خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظامِ زندگی کا؟ اگر پہلی بات ہے تو اگرچہ مشترک صداقتوں کی بنا پر ان سب کو ایک کہنا صحیح نہ ہوگا۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام بزرگوں کی نیت بہتر ہوگی، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے اچھے اچھے اقوال و اعمال عمل کے لیے منتخب کرلیے جائیں۔ لیکن ایسے مذاہب کو یا ان سے منتخب کیے ہوئے مجموعے کو نہ خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوگا

اور نہ لوگوں کے لیے اُس میں کوئی جاذبیت اور کشش ہو گی۔ اور اگر مذہب خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام کو کہتے ہیں تو یہ قطعی ناممکن ہے کہ ایک ہی خدا کے بھیجے ہوئے نظاموں میں اس قدر شدید اختلاف و تضاد ہو۔ عملی اعتبار سے یہ اس لیے غلط ہے کہ جو چند صداقتیں ہیں وہ علمی اور مبہم و مجمل ہیں اور ان سے انسانی زندگی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا' جو باتیں عملی اور تفصیلی ہیں ان میں سخت اختلاف ہیں اب یا تو کسی ایک طریقے کو اختیار کیا جائے گا اور باقی طریقوں کو چھوڑنے کی تلقین کی جائے گی اور اس سے "وحدتِ ادیان" کے نظریے کی خود ہی تردید ہو جائے گی یا تمام متضاد راستے اختیار کیے جائیں گے اور بہ یک وقت اُن سب کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے گی۔ جو نہ صرف یہ کہ غلط ہو گا بلکہ انسانی ترقی کے لیے مُہلک اور ملک و قوم کے استحکام کو ختم کرنے والا ہو گا۔ یا کوئی نیا طریقہ اختیار کیا جائے گا' جس کا نتیجہ صرف یہ ہو گا کہ ایک نیا فرقہ اور نیا مذہب وجود میں آجائے گا' جو یقیناً خدائی مذہب نہ ہو گا' اور اس سے اختلافِ مذاہب میں اور اضافہ ہو گا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذاہب کے اختلاف سے ملک میں فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ جنگ پھیلتی ہے اسی لیے ان میں سے کچھ لوگ تو مذہب کی مخالفت کرتے ہیں' اور جو مذہب کی مخالفت کسی وجہ سے نہیں کر پاتے وہ "وحدتِ ادیان" اور "متحدہ مذہب" کا پرچار شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا جس معاملے میں بھی اختلاف واقع ہوتا ہے وہ فرقہ واریت کا باعث ضرور ہوتا ہے؟ کیا انسانوں میں قدم قدم پر نظریات و افکار' قیاسات و آراء' عمل و رجحان کا اختلاف پیدا نہیں ہوتا! اور کیا ان سے فرقہ وارانہ جنگ وجود میں آتی ہے' اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو مذاہب کے اختلاف ہی کے بارے میں یہ رائے کیوں قایم کر لی گئی ہے کہ اس سے یہ خطرہ لازماً پیدا ہو گا۔ آپ مذاہب کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں' اگر کسی مذہب کی اصل تعلیمات فرقہ واریت سکھاتی ہیں تو اس کا برملا اعلان کریں اور لوگوں کو دعوت دیں کہ اس مذہب سے دست بردار ہو جائیں' کیونکہ ایسے مذہب کی پیروی یقیناً فرقہ واریت پیدا کرے گی اور "وحدتِ ادیان" کا نعرہ ذرا بھی کام نہ آئے گا۔

اور اگر مذاہب فرقہ واریت کی تعلیم نہیں دیتے' لیکن ان کے پیروؤں کی زندگی سے فرقہ واریت ہی پرورش پاتی ہے تو اس کا سبب پیروؤں کی بے دینی اور رسمی مذہبیت ہے۔ جس طرح مذہب کے نام لیواؤں میں ہر قسم کی بداعتقادی' بداخلاقی' بداعمالی اور بدمعاملگی پائی جاتی ہے اسی طرح فرقہ واریت بھی پائی جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ نہ مذہب ہے نہ اختلافِ مذاہب' بلکہ اس کا اصل سبب مذہب سے دُوری اور اُس کی تعلیمات سے انحراف ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ مذہب کا نام لینے کے بجائے اس کی حقیقت

معلوم کی جائے اور اگر اس پر دل ٹھکے اور وہ زندگی کی مشکلات کا حل ہو تو اُسے اپنی زندگی میں نافذ کیا جائے اور دوسرے انسانوں کو بھی اس کی دعوت دی جائے۔ اس تدبیر کے اختیار کرنے کے بعد اوّل تو مذاہب کے اختلاف سے فرقہ داریت پیدا نہ ہوگی، لیکن اگر اندیشہ ہو کہ یہ اختلاف مخالفت و جنگ کی شکل اختیار کرے گا (جس طرح لامذہبوں کا اختلاف آئے دن جنگ کا باعث بنتا رہتا ہے) تو اس کی صحیح صورت یہ نہیں ہے کہ ہم اختلاف سے انکار کر بیٹھیں بلکہ دُنیا کے دوسرے معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی اختلاف کا صحیح حل یہی ہے کہ اختلاف کے بُنیادی اسباب کو معلوم کیا جائے، غلط و صحیح اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کوشش کی جائے، اور حق کو اختیار کر کے باطل کو ترک کر دیا جائے۔

بعض لوگ پتہ نہیں کیوں اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اگر سب مذاہب کو برحق نہ کہا گیا تو یہ تنگ نظری کا ثبوت ہوگا۔ رواداری یہی ہے کہ تمام مذاہب کو صحیح مانا جائے اور سب کے ٹھیک ہونے کا اعلان کیا جائے۔ یہ لوگ یا تو مذاہب کی حقیقت سے ناآشنا ہیں یا یہ نہیں جانتے کہ تنگ نظری اور رواداری کا مفہوم کیا ہے۔ جو شخص بھی مذاہب کا مطالعہ کرے گا، وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان میں بہت سے بنیادی اختلافات موجود ہیں جن کے موجود ہوتے ہوئے ان سب کو صحیح اور برحق کہنا عقلاً کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ پھر اگر تنگ نظری یہی ہے کہ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہا جائے تو یقیناً ساری دُنیا تنگ نظر ہے اور ہمیشہ سے تنگ نظر رہی ہے اس صورت میں مذہب کے پیش کرنے والے برگزیدہ انسان بھی تنگ نظر تھے اور مذاہب بھی تنگ نظری کا سبق سکھانے کے لیے دُنیا میں آئے ہیں اور نہ صرف مذہب بلکہ ہر انسان کی عقل اور تمام انسانی علوم اسی تنگ دلی کا درس دیتے ہیں۔ اگر رواداری یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کی خاطر ہم ان کی کھُلی ہوئی غلطیوں کو بھی تصدیق کر دیں اور ہر باطل کو حق کہنے لگیں تو پتہ نہیں کہ جھُوٹ، مکاری، جھوٹی خوشامد اور ضمیر فروشی کسے کہتے ہیں۔ عملی اعتبار سے آپ دیکھیں تو مذہب کے علاوہ اور کہیں بھی اس رواداری کا آپ وجود نہ پائیں گے اور نہ "رواداری کے ان شیدائیوں" کو دوسرے معاملات میں آپ اس قسم کی رواداری برتتے دیکھیں گے اور نہ دوسرے امور میں آپ ان کی یہ خواہش پائیں گے کہ لوگ اس قسم کی رواداری برتیں۔ دوسرے تمام معاملات میں غلط و صحیح، حق و باطل، جائز و ناجائز اور جھُوٹ اور سچ کا کھُلا ہوا اختلاف آپ کو ملے گا۔ دوسرے لوگوں کی طرح "رواداری کے یہ شیدائی" بھی اس اختلاف میں حصّہ لیتے نظر آئیں گے۔ اور اگر آپ ان سے یہ درخواست کریں کہ وہ سیاہ و سفید کو ایک کہدیں اور جھوٹ کو بھی سچ قرار دے دیں تو یا تو وہ آپ کو مخبوط الحواس سمجھیں گے اور یا آپ کی اس حرکت کو اپنی اہانت تصور کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ مذہب کے بارے میں یہ مجنونانہ باتیں کیوں کی جاتی ہیں؟

حقیقت یہ ہے تنگ نظری یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے اور اپنے عقیدے سے اختلاف کرنے والے کو برداشت

نہ کرے، اُس کو ستائے اور پریشان کرے اور مختلف طریقوں سے مجبور کرے کہ وہ اس اختلاف سے باز آجائے۔ یہ تنگ نظری یقیناً دُنیا کی بدترین چیز ہے، اور انسانی آزادی کو جڑ سے ڈھا دینے والی ہے۔ یہ چیز آپ کو کسی نہ کسی شکل میں ہر جگہ نظر آئے گی اور جہاں کہیں بھی ہوگی غلط ہوگی، کسی صحیح مذہب نے اس کی تعلیم نہیں دی ہے اور جو اس کی تعلیم دے وہ مذہب ہی نہیں۔ لیکن اختلافِ مذاہب یا کسی قسم کے اختلاف سے اس کا کوئی لازمی تعلق نہیں، یہ تنگ نظری تو انسان کی بد دماغی کا نتیجہ ہے، ورنہ جس طرح یہ چیز غیر فطری و غیر انسانی ہے، اسی طرح مختلف انسانوں کی رایوں اور کاموں میں کسی نہ کسی حد تک اختلافات کا پایا جانا فطری و انسانی ہے۔ روا داری یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے کو صحیح اور اپنے مسلک کو حق سمجھے، دوسروں کو اس کی دعوت دے، اور اختلاف کرنے والوں کی تردید کرنے کے باوجود انھیں اختلاف کرنے کا حق دے اور بہ جبر اپنی رائے اُن پر مسلط نہ کرے۔ عقلاً یہی روا داری صحیح ہے اور عملاً یہی ممکن بھی ہے اور اگر یہ موجود ہو تو نہ صرف مذاہب کے اختلاف بلکہ دُنیا کا کوئی بھی اختلاف مخالفت اور جنگ کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اور انسانی دُنیا اپنے تمام اختلافات کے باوجود امن اور چین کی نعمت پا سکتی ہے۔ (باقی آئندہ)

سلطنت

آبتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ المُلُوکْ
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری

گرمیِ گفتارِ اعضائے مجالس، الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی ۔ روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب
علامہ اقبال

شوال سنہ ۱۳۶۸ھ

اگست سنہ ۱۹۴۹ء

جلد دوم

ماہنامہ زندگی رامپور

(۴)

چندہ

سالانہ صہ پانچ روپے
فی پرچہ ۸ر آٹھ آنے

مرتب
حامد علی

ترتیب

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس میں چھپوا کر دفتر رسالۂ زندگی رامپور (یو۔ پی) سے شائع کیا۔